Dareecha-e-Tahqeeq
دریچۂ تحقیق
ISSN PRINT 2958-0005 ISSN Online 2790-9972
VOL 7, Issue 3
www.dareechaetahqeeq.com dareecha.tahqeeq@gmail.com
Research Article

بابر حسین
ریسرچ اسکالر اردو، انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد
ڈاکٹر سائرہ بتول
صدر شعبہ اردو انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی، اسلام آباد

محمد حمید شاہد کے افسانوں میں مابعد دہشت گردی کا بیانیہ: سماجی و فکری تناظر

Babar Hussain
Research scholar ,Urdu International Islamic University, Islamabad
Dr Saira Batool
Head Of Urdu Department, International Islamic University, Islamabad

The Post-Terrorism Narrative In Muhammad Hameed Shahid's Short Stories: Social And Intellectual Perspectives

This article examines the post-terrorism narrative in Muhammad Hameed Shahid's short stories through their social and intellectual dimensions. Focusing on Loth, Surag Mein Soor, and Ganth, it explores how the consequences of terror persist within memory, collective security, and personal identity. Post-terrorism is understood not as the disappearance of terrorism but as the continuing negotiation of its emotional, ethical, and social repercussions. Through close textual reading and comparative interpretation, the discussion considers how narrative situations and symbols articulate experiences that cannot be adequately represented through reporting or statistical accounts. In Loth, bodily suffering and intergenerational misunderstanding connect present violence with unresolved memories of displacement and loss. Surag Mein Soor exposes the tensions between economic transformation, collective protection, dependence, and accountability. Ganth investigates suspicion, displacement, conditional belonging, and the erosion of individual identity under collective prejudice. Across these stories, the analysis identifies human dignity, agency, trust, and recognition as interconnected concerns. It also distinguishes empathy from the justification of violence and recovery from revenge. The article argues that Shahid's fiction expands the understanding of terror beyond spectacular events by revealing its presence in everyday relationships and structures of power. Its contribution lies in demonstrating how literary form makes visible the distance between outward normality and internal insecurity, while preserving the complexity of affected individuals and resisting reductive political, cultural, or psychological explanations of their lived experiences.

Keywords: Muhammad Hameed Shahid; Urdu Short Fiction; Post-Terrorism Narrative; Trauma And Memory; Collective Security; Identity Crisis; Human Dignity.

محمد حمید شاہد کے افسانوں کو مابعد دہشت گردی کے تناظر میں پڑھتے ہوئے بنیادی توجہ انسانی تجربے کی ان صورتوں پر ہونی چاہیے جو خوف کے کسی بڑے واقعے کے بعد پیدا ہوتی ہیں۔ دہشت کا واقعہ ایک مقررہ وقت میں پیش آتا ہے، مگر اس سے وابستہ سوالات بہت دیر تک انسانی زندگی میں موجود رہ سکتے ہیں۔ فرد اپنے گھر، جسم، خاندان اور معاشرے کو

پہلے جیسی نگاہ سے نہیں دیکھ پاتا۔ اس مضمون کا مقصد اسی تبدیلی کو تین افسانوں کے ذریعے سمجھنا ہے۔ یہاں لوتھ، سورگ میں سور اور گانٹھ کو بالترتیب یادداشت، اجتماعی تحفظ اور شناخت کے سوالات کے تحت پڑھا گیا ہے۔ اس مطالعے میں مابعد دہشت گردی سے مراد ایسا زمانہ نہیں جس میں دہشت گردی ختم ہو چکی ہو۔ یہ اصطلاح دہشت کے بعد جاری رہنے والے اثرات، ان کی تعبیر اور ان کے نتیجے میں بدلتے ہوئے انسانی رویوں کے لیے استعمال ہوئی ہے۔ اس وضاحت کی ضرورت اس لیے ہے کہ کسی سانحے کے بعد معمول کی سرگرمیاں بحال ہو جانا داخلی سکون کی واپسی کی ضمانت نہیں ہوتا۔ بظاہر زندگی چلتی رہتی ہے، مگر محفوظ ہونے کا یقین کمزور پڑ سکتا ہے۔ ادب اسی کمزور یقین اور معمول کے درمیان فاصلے کو محسوس کرنے کا وسیلہ بنتا ہے۔

تینوں افسانوں کی بحث اصل آن لائن متون کی قرأت پر قائم ہے۔ تاہم واقعات کے مختصر تعارف کے بعد پیش کیے گئے سماجی اور فکری نتائج اس مضمون کی تنقیدی تعبیر ہیں۔ انہیں افسانہ نگار کا براہ راست اعلان یا کسی تاریخی واقعے کی مستند رپورٹ نہیں سمجھنا چاہیے۔ ادبی متن اپنے کرداروں اور صورت حال کے ذریعے معنی پیدا کرتا ہے، اس لیے اس کی قرأت میں متعدد امکانات باقی رہتے ہیں۔ یہ طریقہ خاص طور پر علامتی افسانے کے لیے ضروری ہے، جہاں ایک منظر بیک وقت معاشرتی، نفسیاتی اور سیاسی مفہوم پیدا کر سکتا ہے۔

دہشت گردی کے ادبی مطالعے میں ایک دشواری یہ ہوتی ہے کہ خبر اور کہانی کو ایک دوسرے کا متبادل بنا دیا جاتا ہے۔ خبر عموماً واقعے کے فوری سوالات کا جواب دیتی ہے، جبکہ افسانہ اس کے انسانی تجربے کو ترتیب دیتا ہے۔ افسانوی کردار کی خاموشی، تذبذب یا الجھن کسی رپورٹ کے اعداد میں مکمل طور پر ظاہر نہیں ہو سکتی۔ اس مضمون میں اسی امتیاز کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ سوال یہ نہیں کہ افسانہ کتنی معلومات فراہم کرتا ہے، بلکہ یہ ہے کہ وہ قاری کو کس انسانی کیفیت سے متعارف کراتا ہے اور اس کیفیت کو سمجھنے کے لیے کیا امکانات کھولتا ہے۔

سماجی تناظر میں گھر، خاندان، روزگار، شہریت، باہمی اعتماد اور تحفظ اہم ہیں۔ فکری تناظر میں انسانی وقار، اختیار، ذمہ داری اور دوسرے انسان کے دکھ کو تسلیم کرنے کے سوالات سامنے آتے ہیں۔ دونوں سطحیں ایک دوسرے سے جدا نہیں۔ مثلاً کسی شخص کی سماجی شناخت مشکوک ہو جائے تو اس کی داخلی خود آگاہی بھی متاثر ہوتی ہے۔ اسی طرح تحفظ کی کوئی اجتماعی تدبیر اگر لوگوں کی آزادی محدود کر دے تو اس کی افادیت کے ساتھ اخلاقی جواز بھی زیر بحث آتا ہے۔ ان افسانوں کی قرأت انہی تعلقات کو کھولنے کی کوشش کرتی ہے۔

"لوتھ میں ٹیلی وژن پر طیاروں کے فلک بوس عمارتوں سے ٹکرانے کے مناظر ایک باپ کے پرانے زخموں کے ساتھ جڑتے ہیں۔ اس کی یاد میں خوف زدہ نقل مکانی، پانی کا خطرناک بہاؤ اور بیٹی کے ڈوبنے کا تجربہ موجود ہے۔ بعد میں بیٹے کی رضامندی سے اس کی ٹانگیں کاٹ دی جاتی ہیں، مگر داخلی تکلیف ختم نہیں ہوتی۔ یہ مختصر واقعاتی بنیاد افسانے کو موجودہ سانحے، ماضی کے نقصان اور جسمانی بقا کے درمیان رکھتی ہے۔ آگے کی بحث اسی بنیاد کی تعبیر ہے، طبی تشخیص نہیں۔"1

یادداشت کے اس تعلق کو سمجھنے کے لیے وقت کو سیدھی لکیر سمجھنے سے گریز کرنا ہوگا۔ عام تصور میں ماضی پیچھے رہ جاتا ہے اور حال آگے بڑھتا ہے۔ صدمے کی تنقیدی قرأت میں، تاہم، ایک موجودہ منظر پہلے کے دکھ کو نئے معنی دے سکتا ہے۔ اس امکان کی اہمیت یہ ہے کہ سانحے کا اثر اس کی تاریخ سے زیادہ دیر تک قائم رہ سکتا ہے۔ افسانے کا قاری یوں اس سوال کے سامنے آتا ہے کہ کسی شخص کے لیے وقت گزرنے کا مطلب کیا ہمیشہ تکلیف کا گزر جانا بھی ہوتا ہے؟

اس زاویے سے پرانا زخم ایک مکمل ہو چکا قصہ نہیں رہتا۔ وہ ایک ایسی کیفیت بن جاتا ہے جس کی شناخت بعد کے تجربات کے ذریعے بدلتی رہتی ہے۔ جب معاشرہ متاثرہ انسان سے فوراً معمول کی زندگی کی توقع کرتا ہے تو ممکن ہے اس توقع میں اس کے تجربے کی پیچیدگی چھپ جائے۔ یہاں تنقیدی سوال یہ بنتا ہے کہ بحالی کا معیار کون مقرر کرتا ہے۔ کیا باہر سے دیکھنے والا شخص یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ اب یاد کرنے، غم محسوس کرنے یا خوف زدہ ہونے کی مدت ختم ہو جانی چاہیے؟ لوتھ کی قرأت ہمیں جسم کے بارے میں بھی سوچنے پر مجبور کرتی ہے۔ جسم کو محض ایسا مادہ سمجھنا جس کی خرابی درست کر دی جائے، انسانی تجربے کی پوری وضاحت نہیں کرتا۔ انسان اپنے جسم کے ذریعے چلتا، رشتوں میں شریک ہوتا اور ماضی سے تعلق قائم رکھتا ہے۔ جسمانی تبدیلی اس لیے محض حرکت کی تبدیلی نہیں، اپنے وجود کو محسوس کرنے کی تبدیلی بھی ہو سکتی ہے۔ اس عمومی نکتے کو افسانے کے تناظر میں رکھا جائے تو بقا کے ساتھ اختیار، رضامندی اور زندگی کے معیار کے سوالات پیدا ہوتے ہیں۔

"یہ وہی معصوم تھا جو اب اتنا بڑا ہو گیا تھا کہ اس نے خود ہی باپ کی ٹانگیں کٹوانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ بیٹا ڈاکٹروں کے پینل سے پوری طرح متفق ہو گیا تھا کہ پاؤں کا گھاؤ پھیلتے پھیلتے اوپر تک پہنچ چکا تھا۔ وہ چلنے سے باز نہ آتا تھا۔۔۔ یوں بقول ان کے زخم تازہ ہو جاتے تھے۔ ان زخموں سے اٹھنے والا سلاہٹ جیسا مسلسل درد اس کے نچلے دھڑ میں اتنا شدید ہو

جاتا کہ اس کی چیخیں نکلتی رہتیں۔ اتنی بلند اور اتنے تسلسل کے ساتھ کہ پڑوسی ادھر ہی متوجہ رہتے تھے۔ ڈاکٹروں کے مطابق گھاؤ زہر بن گئے تھے لہٰذا آپریشن ضروری تھا۔ بیٹا بھی قائل ہو گیا تھا کہ اس ضمن میں باپ سے رائے لینا مناسب نہیں تھا اور وہ سمجھنے لگا تھا کہ اس کا باپ کوئی معقول رائے دینے کے اہل نہیں رہا تھا۔ بیٹے کو یقین ہونے لگا تھا کہ وہ ساری صورت حال کو بہتر طور پر سمجھ سکتا تھا لہٰذا اپنے طور پر ہی ڈاکٹروں سے متفق ہو گیا۔ آپریشن خاصا طویل تھا۔ آپریشن ہو گیا تو ڈاکٹروں نے حسب عادت اسے تسلی دیتے ہوئے کہا: "اس کا باپ بہت جلد ٹھیک ہو جائے گا۔۔۔"۔ مگر جب باپ کو ہوش آیا تو وہ اپنے ہی بیٹے سے ایک اور گھاؤ پوری طرح چھپا لینے کے جتن کر رہا تھا۔"2

اس مقام پر بیٹے کے کردار کو آسانی سے بے حس قرار دینا مناسب نہیں ہو گا۔ دیکھ بھال کرنے والا شخص بھی خوف، ذمہ داری اور فوری فیصلے کے دباؤ میں ہو سکتا ہے۔ یہی اخلاقی پیچیدگی افسانوی مطالعے کو اہم بناتی ہے۔ ایک عمل نیک نیتی سے کیا جائے، پھر بھی متاثرہ فرد اسے اپنے اختیار میں کمی کے طور پر محسوس کر سکتا ہے۔ اختلاف نیت اور نتیجے کے درمیان پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے انسانی ہمدردی کا مطلب صرف کسی کے لیے فیصلہ کرنا نہیں، اس کی آواز کو فیصلے میں جگہ دینا بھی ہے۔

باپ اور بیٹے کے تعلق کی ایک سماجی قرأت نسلوں کے درمیان تجربے کے فرق پر قائم ہو سکتی ہے۔ ایک نسل جس نقصان کو اپنے وجود کا حصہ سمجھتی ہے، دوسری اسے حل طلب مسئلہ سمجھ سکتی ہے۔ دونوں کے پاس اپنی منطق ہوتی ہے، مگر ایک دوسرے کی زبان پوری طرح سمجھ میں نہیں آتی۔ ایسا فرق صرف عمر کا نہیں، یاد رکھنے کے طریقے کا بھی ہے۔ مشترک خاندان میں رہنے کے باوجود افراد ایک جیسی تاریخ نہیں جیتے۔ ان کے لیے ایک ہی واقعے کی معنویت مختلف ہو سکتی ہے۔

سانحے کی تصویری نمائندگی کے بارے میں یہاں ایک وسیع سوال اٹھایا جا سکتا ہے۔ دور بیٹھا تماشائی بظاہر محفوظ ہوتا ہے، مگر تصویر اسے کسی دوسرے کے دکھ کے قریب لے آتی ہے۔ اس قربت کی نوعیت یکساں نہیں ہوتی۔ کسی کے لیے منظر اطلاع ہے، کسی کے لیے خوف اور کسی کے لیے ذاتی نقصان کی یاد۔ اس لیے تشدد کی تصویری تکرار کو محض معلومات میں اضافے کے طور پر دیکھنا ناکافی ہے۔ اہم یہ بھی ہے کہ تصویر کس انسانی حالت میں دیکھی جا رہی ہے اور دیکھنے والا پہلے سے کیا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے۔ یہاں ادب کا فریضہ قاری کے لیے تیار شدہ جذبات مقرر کرنا نہیں بنتا۔ زیادہ اہم یہ ہے کہ وہ اسے اپنے ردعمل پر غور کرنے دے۔ کیا دوسرے کا سانحہ حیرت انگیز منظر بن کر رہ گیا ہے؟ کیا اس کی تکلیف کو دیکھنے والا اپنی تفریح، سیاسی پسند یا ذاتی تسکین سے الگ رکھ سکتا ہے؟ یہ سوالات کسی مخصوص ناظر پر الزام نہیں، دیکھنے کے عمل کی اخلاقی جانچ ہیں۔ مابعد دہشت گردی بیانیے کی ایک افادیت یہی ہو سکتی ہے کہ وہ تماشائی کو اپنی ظاہری لاتعلقی کا جائزہ لینے کی دعوت دے۔

عنوان لوتھ کو اس مضمون میں انسان کے محسوس کرنے اور محض موجود رہنے کے درمیان فاصلے کی علامت سمجھا گیا ہے۔ یہ تعبیر کسی جسمانی معذوری کو انسانی قدر میں کمی قرار نہیں دیتی۔ اصل سوال اس کیفیت کا ہے جس میں فرد کی آواز، خواہش اور تجربہ دوسرے لوگوں کی ترجیحات کے پیچھے رہ جائیں۔ انسان کی حرمت اس کی جسمانی صلاحیت سے مشروط نہیں۔ اس کے برعکس، افسانوی قرأت کی اخلاقی اہمیت تب بڑھتی ہے جب وہ یاد دلائے کہ کمزور یا محتاج فرد کا اپنا ادراک اور حق انتخاب برقرار رہتا ہے۔

سورگ میں سور کی بنیادی صورت حال ایک دیہی آبادی، اس کے معاشی معمولات اور بڑھتے ہوئے عدم تحفظ سے بنتی ہے۔ بکریوں کی نگہداشت سے مونگ پھلی کی نفع بخش کاشت کی طرف تبدیلی، کھیت اجاڑنے والے سوروں کی کثرت اور تحفظ کے لیے کتوں پر بڑھتا انحصار اس منظر نامے کے نمایاں عناصر ہیں۔ آخر کار محافظ بھی بوجھ اور بے اختیاری کے احساس سے جڑ جاتے ہیں۔ یہ واقعاتی تعارف مختصر ہے؛ اسے کسی قوم، حکومت یا گروہ کا قطعی نقشہ سمجھنے کے بجائے آگے اجتماعی تحفظ کی علامتی تعبیر کے طور پر پڑھا گیا ہے۔

"تھوتھنیوں والوں کی بڑھتی تعداد ہمیں مونگ پھلی کی کاشت سے نہ روک پائی کہ اس فصل کے طفیل بھوک ہماری پسلیوں سے نکل کر انہیں فربہ بنا گئی تھی۔ بیوپاری کھڑی فصل کا اتنا عمدہ بھاؤ لگاتے اور نقد رقم سے ہماری جھولیاں بھر دیتے کہ ہمارے دیدے حیرت سے باہر کو ابلنے لگتے تھے۔ یہ حیرت تب بھی کم ہونے میں نہ آئی جب ہمیں یہ پتہ چلا تھا کہ یہ بیوپاری تو ادھر شہر میں کارخانے والوں سے کہ جو اس کا تیل نکالتے تھے یا اسے مزے مزے کے کھانوں کا حصہ بناتے تھے، ہمیں دیے جانے والے بھاؤ سے کئی گنا کیا کرتے تھے۔۔۔ کہ۔۔۔ کوئی اور جنس ہمیں اتنا بھاؤ نہ دیتی تھی۔۔۔ شاید اسی بھاؤ کی لشک نے ہمیں بکریوں سے بدکا دیا تھا"۔3

اس افسانے کی قرأت میں اہم سوال یہ ہے کہ محفوظ زندگی کی اجتماعی صلاحیت کن چیزوں سے بنتی ہے۔ دولت اس صلاحیت کا ایک حصہ ہو سکتی ہے، مگر باہمی تعاون، عملی مہارت اور اپنے ماحول کی سمجھ بھی ضروری ہیں۔ اگر ترقی کو صرف آمدنی کے پیمانے سے دیکھا جائے تو ممکن ہے معاشرے کے کچھ بنیادی نقصانات نظر نہ آئیں۔ یہاں اس تضاد پر غور کیا جا سکتا ہے کہ ظاہری آسودگی بڑھنے کے باوجود اپنے حالات پر اختیار کم کیوں محسوس ہوتا ہے۔ تحفظ کا مسئلہ اسی مقام پر معاشی مسئلہ بھی بن جاتا ہے۔ معاشی تبدیلی کے بارے میں اس قرأت کا مقصد غربت کی تعریف یا خوش حالی کی مذمت نہیں ہے۔ تنگ دستی میں بھی تکلیف ہوتی ہے اور بہتر وسائل زندگی آسان بنا سکتے ہیں۔ تنقیدی سوال

وسائل کے استعمال اور ان کے ساتھ بدلتے ہوئے تعلقات کا ہے۔ کیا نئی معاشی ترجیحات لوگوں کو زیادہ خود مختار بناتی ہیں، یا چند بیرونی ذرائع پر انحصار بڑھا دیتی ہیں؟ کیا فائدہ حاصل کرنے والے لوگ اس فائدے کی اجتماعی قیمت کو بھی دیکھتے ہیں؟ ادب ایسے سوالات کو کسی معاشی جدول سے مختلف انسانی صورت میں سامنے لا سکتا ہے۔

سورگ کے تصور میں محفوظ جگہ کی خواہش پوشیدہ سمجھی جا سکتی ہے۔ محفوظ جگہ کا مطلب صرف حملے سے بچاؤ نہیں؛ اس میں زندگی کی قابل اعتماد ترتیب بھی شامل ہوتی ہے۔ جب انسان کو اپنے کام، رزق اور تعلقات کے بارے میں بنیادی یقین ہو تو وہ آئندہ کے منصوبے بنا سکتا ہے۔ عدم تحفظ اس زمانی وسعت کو مختصر کر دیتا ہے۔ فرد یا گروہ اگلے خطرے سے بچنے میں اتنا مشغول ہو سکتا ہے کہ دور رس فیصلوں کی صلاحیت کمزور پڑ جائے۔ اس قرأت میں خوف مستقبل پر اختیار کی کمی کا نام بھی ہے۔

اجتماعی حفاظت کے لیے اختیار کی منتقلی اکثر ضروری سمجھی جاتی ہے، مگر اس منتقلی کے ساتھ جواب دہی کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ جو وسیلہ حفاظت کے لیے قائم کیا جائے، اس کی قوت بڑھنے پر عام آدمی کا اختیار کیسے محفوظ رہے؟ حفاظت کی ضرورت خود کسی طاقت کو غیر محدود جواز نہیں دیتی۔ اس عمومی اصول کو علامتی افسانے کے تناظر میں پڑھنے سے ایک فکری پیچیدگی سامنے آتی ہے۔ معاشرہ جس خطرے سے بچنا چاہتا ہے، اس کی تدبیر کہیں ایسی وابستگی تو پیدا نہیں کرتی جس سے نکلنا بعد میں مشکل ہو؟

اس سوال کا ایک تعلق خوف کی زبان سے بھی ہے۔ جب ہر مسئلے کو فوری خطرہ کہا جائے تو بحث، اختلاف اور سوال کی گنجائش کم ہو سکتی ہے۔ لوگ تدبیر کے نتائج پر گفتگو کرنے کے بجائے اپنی وفاداری ثابت کرنے لگتے ہیں۔ یہاں تنقیدی نگاہ کو یہ دیکھنا چاہیے کہ کون سا خوف واقعی مشترک ہے اور کس خوف کے نام پر فیصلے چند ہاتھوں میں جمع ہو رہے ہیں۔ یہ کسی خاص ادارے کے بارے میں فیصلہ نہیں، اجتماعی طاقت کے استعمال کی جانچ کا ایک اصول ہے جسے ادبی قرأت واضح کر سکتی ہے۔

" سورگ والوں نے کتوں کی تعداد بڑھائی ضرور تھی مگر یہ تعداد کبھی کافی نہ ہو پاتی تھی کہ لائن لگانے والا یہ بے شرم جانور بڑھتا بھی بڑی سرعت سے تھا۔ ہر اڑھائی مہینے کے بعد ان کی حرام زادیوں کی بکھیاں بھر جاتیں اور سال بعد پتہ چلتا کہ پچھلے برس کے مقابلے اس بار تین گنا زائد آئے اور مونگ پھلی کے کھیتوں کو کھود کر پلٹ گئے۔ شروع شروع میں اپنے ایمانوں کو بچانے کے لیے ہم اس پلید نسل کا نام بھی زبان پر نہ لاتے تھے۔ انہیں مارنے کو جی بھی نہ چاہتا کہ انہیں دیکھتے ہی کراہت ہونے لگتی تھی مگر جب یہ بہت زیادہ زیاں کرنے لگے تو ہم نے بندوقیں اٹھالیں۔ خوب منصوبہ بندی کر کے ان کا شکار کرتے۔۔۔۔۔۔۔ اور پھر جب سرکار نے کسی سرکاری مصلحت کے تحت اسلحہ رکھنے پر پابندی لگا دی تو ہمیں شکاری کتوں کی تعداد بڑھا دینا پڑی۔ ہم ان کتوں کو لے کر شکار پر نکلتے تو ہمارے ہاتھوں میں کلہاڑیاں، برچھیاں اور بلم بھی ہوتے۔ کتے انہیں دوڑ دوڑ کر گھیرتے اور ہماری جانب دھکیلتے جاتے۔۔۔۔۔۔ ہم ان پر حملہ آور ہو جاتے اور ان کی تکا بوٹی کر دیتے تھے۔ تاہم یہ ایسا موذی تھا کہ ہم میں سے کسی نہ کسی کو ہر بار ضرور زخمی کر دیتا تھا۔"10

سورگ میں سور کے مطالعے سے اجتماعی ذمہ داری کے ایک الگ سوال پر بھی غور ممکن ہے۔ جب کسی معاشرے کے لوگ اپنے نقصان کو صرف باہر سے آنے والے خطرے کی صورت میں بیان کریں تو اندر کی ترجیحات اور غلطیوں کا جائزہ پیچھے رہ سکتا ہے۔ دوسری طرف سارا بوجھ متاثرہ آبادی پر ڈالنا بھی ناانصافی ہو گی۔ بامعنی تنقید دونوں انتہاؤں سے بچتی ہے۔ وہ خارجی دباؤ تسلیم کرتے ہوئے اجتماعی انتخاب کی حدود اور امکانات دیکھتی ہے۔ مقصد الزام بانٹنا نہیں، اس ساخت کو سمجھنا ہے جس میں بے بسی پیدا ہوتی ہے۔

اسی لیے اس افسانے کو ایک سادہ سیاسی پہیلی بنا دینا مناسب نہیں۔ علامت کا فائدہ یہ ہے کہ وہ مختلف تاریخی حالات میں نئے سوالات پیدا کر سکتی ہے۔ اگر ہر جانور کے سامنے ایک مقررہ سیاسی نام لکھ دیا جائے تو تعبیر بند ہو جاتی ہے۔ زیادہ مفید قرأت تعلقات کی نوعیت پر توجہ دیتی ہے: نقصان کون اٹھاتا ہے، تدبیر کون منتخب کرتا ہے، قوت کس کے پاس جمع ہوتی ہے اور عام آدمی کے پاس فیصلہ بدلنے کا کتنا اختیار رہتا ہے۔ اس طریقے سے علامتی ساخت اپنی ادبی وسعت برقرار رکھتی ہے۔ یہ ہمارے معاشرے کی ایک تلخ حقیقت ہے کہ ہم اس قدر نفسیاتی دباؤ میں آ چکے ہیں کہ تھوڑا سا ڈر اور غفلت ہمیں انتہائی قدم اٹھانے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ نادانی اور پولیس والے کا ڈر توقیر کو ابدی نیند سلا دینے پر مجبور کر دیتا ہے۔

سانحہ گیارہ ستمبر کے بعد لکھا جانے والا افسانہ "لوتھ" سارے منظر کی تصویر کشی کرتا ہے جس میں حالات اس قدر سنگین اور صورت حال نہایت وحشت زدہ ہو گئی۔ جس میں باپ بیٹے کے درمیان خلا حائل ہو چکا ہے۔ اس کی تربیت ایسی ہوئی ہے کہ وہ بات کو دوسری طرز سے لیتا ہے۔ باپ اپنے تلووں کے زخم کو بیٹے سے چھپاتا ہے اور حالات کی اونچ نیچ کو گزرنے دیتا ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ گھاؤ ناقابل برداشت حد تک پہنچ جاتا ہے۔ اس طرح یہ راز افشاء ہو جاتا ہے۔ راز ظاہر ہونے کا لمحہ بھی عجیب و غریب تھا۔ واقعہ کچھ اس طرح رونما ہوتا ہے کہ بیٹا ٹی وی کی سکرین پر ایک المیے کو بار بار وہ ٹیلی وژن پر طیارے کو ایک بلند و بالا عمارت سے ٹکراتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ وہاں موجود لوگ حیرت سے اس منظر کو دیکھ رہے تھے، مگر ان کے رد عمل سے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ پہلے ہی کسی ایسے حادثے کے امکان سے واقف ہوں۔

"جب پہلی بار یہ منظر سکرین پر دکھائی دیا تھا۔ انوکھی طمانیت کی بھپک کے باعث اس نے اپنے ہی تلووں کے زخمی حصے کو سختی سے دبالیا تھا جس کے سبب اس کے ہونٹوں سے سکاری نکل گئی تھی۔ بیٹے نے پلٹ کر دیکھا اور فوری طور پر اس سکاری کے کچھ اور معنی نکال لیے تھے۔۔۔۔۔۔ تاہم جب اس کی نظر رستے ہوئے تلووں پر پڑی تو بہت پریشان ہو گیا تھا۔ اسے گلہ تھا کہ آخر اس سے ان زخموں کو اوجھل کیوں رکھا گیا تھا؟ وہ از حد فکر مندی ظاہر کرنے لگا تھا۔۔۔۔ اور شاید فکر میں مبتلا ہو بھی گیا تھا۔۔۔۔۔ لگ بھگ اتنا ہی فکر مند جتنا کہ دونوں فلک بوس عمارتوں کے ساتھ طیاروں کے ٹکرانے کے بعد ہوا تھا۔ بعد کے دنوں میں درد اور تشویش میں اضافہ ہوتا چلا گیا حتیٰ کہ دونوں کے حوصلے ٹوٹ گئے تھے۔" 11

چند روز گزرنے کے بعد ارد گرد کی پوری فضا خوف اور وحشت کی گرفت میں آ گئی۔ اسے اپنے ماضی اور موجودہ حالات کے درمیان واضح فرق محسوس ہونے لگا۔ کبھی وہ دوستوں اور عزیزوں کے ساتھ زندگی کی خوش گوار مصروفیات میں شریک تھا، مگر اب اس کے احساس پر دہشت کا غلبہ تھا۔ ماضی کی ایک تکلیف دہ یاد بھی اس کے سامنے ابھرتی ہے، جب اس کی ننھی بیٹی کندھے پر تھی اور بیوی پانی کی روانی سے گھبرا کر لڑکھڑانے لگی تھی۔ بیوی کو سنبھالتے ہوئے بچی پر اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی۔ اسی سفر کے دوران ایک بچے کی پیدائش بھی ہوئی۔

بعد میں یہی بیٹا باپ کی ٹانگ کاٹنے کے فیصلے میں کردار ادا کرتا ہے۔ اس واقعے کو نئی اور پرانی نسل کے درمیان بدلتے ہوئے تعلق کی علامتی صورت سمجھا جا سکتا ہے۔ افسانہ نائن الیون کے پس منظر میں ان اقدار کے فاصلے کو نمایاں کرتا ہے جن کے ذریعے دونوں نسلیں زندگی اور انسانی تعلقات کو سمجھتی ہیں۔ نئی نسل کی ترجیحات میں ماضی کی قدروں کے لیے جگہ کم دکھائی دیتی ہے، جبکہ پرانی نسل اپنے تجربات اور دکھوں کے تسلیم کیے جانے کی خواہش رکھتی ہے۔

اس تناظر میں افسانہ انسانی رویوں اور باہمی تعلقات میں پیدا ہونے والی تبدیلیوں کی طرف توجہ دلاتا ہے۔ انسانی احترام کے کمزور پڑنے سے تہذیبی زوال کا احساس گہرا ہوتا ہے۔ متن کی فکری سمت طاقت کے ان نابرابر تعلقات پر بھی سوال اٹھاتی ہے جن میں کمزور ممالک دباؤ کا سامنا کرتے ہیں۔ یوں فرد کے داخلی دکھ اور وسیع تر عالمی صورت حال کے درمیان ایک معنوی تعلق قائم ہوتا ہے۔

گانٹھ میں ڈاکٹر توصیف بیرون ملک اپنی پیشہ ورانہ اور خاندانی زندگی قائم کرنے کے باوجود شک، تفتیش اور ملک بدری سے گزرتا ہے۔ اس کی نسبت، نام اور تعلقات اچانک نئے معنی اختیار کر لیتے ہیں۔ وطن واپسی پر بھی سوالات اور اندرونی اضطراب اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ افسانے میں ایک نامکمل تصویر اور مغربی ادبی تصویروں کے حوالے بھی موجود ہیں۔ یہاں ان واقعات کو مختصر بنیاد بنا کر شناخت، قبولیت اور رد عمل کی تنقیدی بحث کی گئی ہے۔ کردار کی ذہنی کیفیت کو کسی باقاعدہ نفسیاتی مرض کا تشخیصی نمونہ قرار نہیں دیا گیا۔ شناخت کے بحران کا بنیادی سوال یہ ہے کہ انسان خود کو جس طرح پہچانتا ہے، کیا معاشرہ بھی اسے اسی طرح قبول کرتا ہے؟ فرد اپنی محنت، تعلیم اور تعلقات سے وابستگی پیدا کرتا ہے، مگر بحران میں دوسرے لوگ اسے کسی پہلے سے قائم خانے میں رکھ سکتے ہیں۔ اس صورت میں برسوں کا حاصل کردہ تعارف ایک نسبت کے سامنے کمزور پڑ جاتا ہے۔ یہ محض نام کی تبدیلی نہیں بلکہ سماجی اعتبار کے بدلنے کا مسئلہ ہے۔ تنقیدی لحاظ سے اہم یہ ہے کہ کسی فرد کی انفرادیت اجتماعی شبہے میں کیسے گم ہونے لگتی ہے۔

شک اور انصاف میں ایک ضروری فرق ہے۔ کسی سوال کی تحقیق کرنا اور کسی شناخت کو خود الزام بنا دینا ایک جیسے عمل نہیں۔ ادبی مطالعہ قانونی فیصلے کا متبادل نہیں بن سکتا، مگر وہ اس فرق کے انسانی نتائج پر غور کرا سکتا ہے۔ جب کسی شخص کو مسلسل اپنے بے ضرر ہونے کی وضاحت دینا پڑے تو اس کی عزت نفس اور دوسروں کے ساتھ تعلق متاثر ہو سکتے ہیں۔ سوال یہ بھی ہے کہ معاشرہ متاثرہ فرد کو اپنی کہانی بیان کرنے کا موقع دیتا ہے یا صرف اس سے پہلے سے تیار جواب مانگتا ہے۔

اس قرأت میں شہریت کا غذی حیثیت سے آگے سماجی اعتماد کا سوال بنتی ہے۔ کسی جگہ رہنے کا حق اور وہاں اپنے آپ کو قبول شدہ محسوس کرنا دو متعلق مگر مختلف تجربے ہیں۔ ممکن ہے رسمی وابستگی موجود ہو لیکن بحران کے وقت غیر سمجھے جانے کا احساس ابھر آئے۔ اس سے یہ عمومی نتیجہ نکالنا درست نہیں کہ مختلف تہذیبوں کے درمیان تعلق ناممکن ہے۔ زیادہ محتاط نتیجہ یہ ہے کہ قبولیت کو صرف فرد کی موافقت پر نہیں چھوڑا جا سکتا؛ اسے میزبان معاشرے کے منصفانہ رویے کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

تہذیبی موافقت کا مسئلہ بھی یک طرفہ نہیں۔ فرد نئے ماحول میں زبان، معمولات اور ترجیحات بدل سکتا ہے، مگر اس تبدیلی کو اپنی سابقہ شناخت کی مکمل نفی سمجھنا ضروری نہیں۔ انسان متعدد وابستگیوں کے ساتھ زندگی گزار سکتا ہے۔ مشکل تب پیدا ہوتی ہے جب اس سے مطالبہ ہو کہ صرف ایک نسبت درست تسلیم کرے۔ مابعد دہشت گردی کی تنقیدی قرأت اس جبری انتخاب کو سوال بنا سکتی ہے۔ وہ پوچھتی ہے کہ سلامتی کی اجتماعی خواہش کہیں مختلف ہونے کے جائز حق کو تو محدود نہیں کر رہی۔

گانٹھ کے حوالے سے خاندان اور عوامی فضا کے تعلق پر بھی غور ضروری ہے۔ گھر کو عموماً بیرونی دباؤ سے پناہ کی جگہ تصور کیا جاتا ہے، لیکن یہ پناہ خود بخود قائم نہیں رہتی۔ معاشی مفاد، سماجی خوف اور ذاتی اختلاف گھر کے اندر بھی داخل ہو سکتے ہیں۔ اس صورت میں تنہائی زیادہ شدید محسوس ہوتی ہے کیونکہ جس تعلق سے غیر مشروط قبولیت کی توقع تھی، وہ بھی غیر یقینی ہو جاتا ہے۔ ادبی سطح پر یہ سوال اہم ہے کہ انسان کے پاس اپنا دکھ رکھنے کے لیے آخر کون سی جگہ باقی رہتی ہے۔ تاہم کسی ایک افسانوی خاندان سے کسی پورے معاشرے کے اخلاق کا فیصلہ اخذ نہیں کرنا چاہیے۔ ایسا فیصلہ خود اسی تعمیم کو دہراتا ہے جس سے فرد کی انفرادیت ختم ہوتی ہے۔ بہتر قرأت مخصوص کرداروں کے عمل اور اس کے اثرات کو دیکھتی ہے۔ خاندان کے بارے میں سوال یہ ہونا چاہیے کہ وفاداری، دیکھ بھال اور مفاد کے درمیان کشمکش کیسے پیدا ہوتی ہے۔ اس احتیاط سے افسانے کی تنقید انسانی تجربے کو وسیع کرتی ہے اور کسی تہذیب کے خلاف تیار شدہ الزام میں تبدیل ہونے سے بچتی ہے۔

ناانصافی کا تجربہ ہمیشہ صرف خاموش دکھ پیدا نہیں کرتا؛ وہ غصے اور شدید ردعمل کی صورت بھی اختیار کر سکتا ہے۔ اس امکان کو سمجھنا تشدد کی توجیہ نہیں ہے۔ اس کے برعکس یہ دیکھنا ہے کہ دکھ کے ساتھ کیا کیا جا سکتا ہے۔ کیا اسے انصاف کے مطالبے میں بدلا جائے گا یا ایک اور اجتماعی نفرت میں؟ تنقیدی قرأت کی ذمہ داری ہے کہ مظلومیت کو تسلیم کرتے ہوئے ردعمل کی اخلاقی جانچ بھی کرے۔ متاثر ہونے کی حقیقت کسی فرد کو دوسروں کی انسانیت سے انکار کا غیر مشروط حق نہیں دیتی۔

یہاں بحالی اور انتقام کے فرق پر غور مفید ہے۔ دونوں میں فوری طور پر قوت واپس ملنے کا احساس پیدا ہو سکتا ہے، مگر ان کی سمت ایک نہیں۔ بحالی میں اپنے اختیار کے ساتھ دوسرے کے حق کو بھی تسلیم کرنے کی گنجائش ہوتی ہے۔ انتقام میں اپنی تکلیف کو ہر فیصلے کا واحد جواز بنایا جا سکتا ہے۔ افسانے کے مطالعے میں اس فرق کو کھلا رکھنا ضروری ہے۔ کسی کردار کے ظاہری سکون یا سرگرمی کو فوراً مکمل صحت یابی سمجھ لینا ممکنہ اخلاقی پیچیدگی کو نظر انداز کر سکتا ہے۔

تصویر کی علامت کے ذریعے ایک عمومی فکری سوال سامنے آتا ہے: انسان جو دکھائی دیتا ہے اور اپنے اندر جو محسوس کرتا ہے، ان میں کتنا فاصلہ ہے؟ معاشرتی وقار کبھی ایک خوب صورت سطح قائم رکھتا ہے، جبکہ اس سطح کے پیچھے رنج، خود فریبی یا جارحیت موجود ہو سکتی ہے۔ اس سوال کا تعلق صرف ایک فرد سے نہیں؛ ادارے اور معاشرے بھی اپنی پسندیدہ تصویر بناتے ہیں۔ تنقید کا کام اس تصویر کو بے دلیل رد کرنا نہیں، بلکہ اس کے دعووں اور عملی نتائج کے درمیان تعلق کو جانچنا ہے۔

گانٹھ کو اس مضمون میں ایسی پیچیدگی کی علامت سمجھا گیا ہے جو صرف ایک جواب سے حل نہیں ہوتی۔ اس میں ذاتی یاد، سماجی شناخت، رشتوں کی توقع اور سیاسی دباؤ باہم بندھے ہوئے تصور کیے جا سکتے ہیں۔ گرہ کھولنے کے لیے کسی ایک رشتے کو کاٹ دینا بظاہر آسان راستہ ہے، مگر اس سے پوری ساخت بدل جاتی ہے۔ اسی لیے خود آگاہی کی بحث میں سوال اہم رہتا ہے کہ انسان اپنی تکلیف کو سمجھ رہا ہے یا صرف اس کے لیے کوئی ایسا سبب منتخب کر رہا ہے جس پر اپنا غصہ مرکوز کر سکے۔

ان قرأتوں میں لوتھ کا بنیادی سوال یاد کے ساتھ رہنے کا ہے، سورگ میں سور کا سوال اجتماعی تحفظ کا اور گانٹھ کا سوال قبولیت کا۔ یہ تینوں دائرے باہم ملتے ہیں۔ محفوظ زندگی کے لیے ماضی کی تکلیف کو تسلیم کرنا، حال میں بااختیار ہونا اور دوسروں کے درمیان معتبر محسوس کرنا ضروری ہے۔ ان میں سے کوئی ایک بنیاد کمزور ہو تو دوسری بھی متاثر ہو سکتی ہے۔ اس طرح مابعد دہشت گردی کا مطالعہ صرف واقعے کے بعد پیدا ہونے والے خوف تک محدود نہیں رہتا بلکہ انسانی زندگی کی بنیادی شرائط تک پہنچتا ہے۔

ایک اور مشترک سوال معمول کی تعریف کا ہے۔ اگر لوگ کام پر جا رہے ہوں، خاندان قائم ہوں اور روزمرہ سرگرمیاں جاری ہوں تو کیا معاشرہ معمول پر آ چکا ہے؟ تنقیدی جواب میں آزادی، اعتماد اور وقار کو بھی دیکھنا ہوگا۔ ظاہری سرگرمی کے اندر خاموش بے بسی موجود ہو سکتی ہے۔ اسی طرح غیر معمولی دکھ کے ساتھ بھی انسان تعلق اور امید پیدا کر سکتا ہے۔ ادب کی اہمیت اس لیے ہے کہ وہ عام اور غیر معمولی کے درمیان اس پیچیدہ تعلق کو محسوس کراتا ہے، جسے محض ظاہری نظم سے نہیں ناپا جا سکتا۔

فنی سطح پر ان افسانوں کی تقابلی قرأت میں جسم، جگہ اور شناخت کو مختلف مگر متعلق زاویے سمجھا گیا ہے۔ جسم کے ذریعے تجربے کی قربت، جگہ کے ذریعے اجتماعی زندگی اور شناخت کے ذریعے قبولیت کا مسئلہ واضح ہوتا ہے۔ یہ تقسیم آخری نہیں، صرف مطالعے کی سہولت ہے۔ ایک ہی منظر ان تینوں سطحوں کو بیک وقت متحرک کر سکتا ہے۔ اس طریقے کی افادیت یہ ہے کہ موضوعاتی بحث فن سے الگ نہیں ہوتی، بلکہ یہ دکھاتی ہے کہ معنی صرف بیان کردہ خیال سے نہیں، تجربے کی ترتیب سے بھی بنتا ہے۔

ان افسانوں کے مطالعے میں قاری کی اپنی جگہ بھی اہم ہے۔ وہ ایک محفوظ فاصلے سے دوسرے کے تجربے کو پڑھتا ہے، اس لیے اس کے لیے فوری فیصلہ صادر کرنا آسان ہو سکتا ہے۔ کسی کردار کو کمزور، خود غرض یا مشتعل قرار دینے سے پہلے اس دباؤ کو سمجھنا ضروری ہے جس میں اس کا عمل معنی اختیار کرتا ہے۔ اس کے باوجود سمجھنے کا مطلب ہر عمل کی تائید نہیں۔ ادبی شرکت کی خوبی یہ ہے کہ قاری ہمدردی اور تنقیدی فاصلے کو ایک ساتھ برقرار رکھ سکے۔ یوں مطالعہ صرف کردار کے بارے میں رائے نہیں، اپنے فیصلے کی حدود پہچاننے کا موقع بھی بنتا ہے۔

اسی مقام پر انسانی وقار کی بحث کو عملی مفہوم ملتا ہے۔ متاثرہ شخص کے لیے کیا سوچنا چاہیے، اس سے پہلے یہ سننا اہم ہے کہ وہ خود کیا محسوس کرتا ہے۔ اجتماعی زندگی میں ایسی سماعت کی جگہ کم ہو جائے تو لوگوں کا دکھ خاموشی، بداعتمادی یا غصے میں تبدیل ہو سکتا ہے۔ ایک محتاط ادبی مطالعہ یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ کہانی پڑھنے سے سماجی مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ البتہ وہ ایسے سوالات واضح کر سکتا ہے جو فوری سیاسی گفتگو میں پیچھے رہ جاتے ہیں۔ یہی سوال انسانی تعلق کو زیادہ ذمہ داری سے سمجھنے کی بنیاد بن سکتے ہیں۔

اس مطالعے کی حدود بھی پیش نظر رہنی چاہییں۔ تین افسانے کسی مصنف کے پورے فکری سفر کی مکمل نمائندگی نہیں کر سکتے۔ اسی طرح ایک موضوع کے تحت قرأت سے متن کے دوسرے امکانات ختم نہیں ہوتے۔ ان کہانیوں کو خاندانی رشتوں، معاشی ترجیحات، ہجرت یا فرد کی خود آگاہی کے حوالے سے الگ بھی پڑھا جا سکتا ہے۔ موجودہ مضمون نے ان امکانات کو دہشت کے بعد پیدا ہونے والے انسانی تجربے سے مربوط کیا ہے۔ اس انتخاب کا مقصد مصنف کو ایک ہی موضوع تک محدود کرنا نہیں، بلکہ ایک مخصوص تحقیقی سوال کو متعین شواہد اور محتاط تعبیر کے ذریعے سمجھنا ہے۔

اس مطالعے کی روشنی میں محمد حمید شاہد کے منتخب افسانوں کا مابعد دہشت گردی تناظر انسانی اختیار اور حرمت کے سوال سے مربوط سمجھا جا سکتا ہے۔ خوف کی موجودگی اہم ہے، مگر اس سے بھی اہم یہ ہے کہ خوف انسان کو اپنے جسم، رشتوں اور معاشرے کے بارے میں کیا سوچنے پر مجبور کرتا ہے۔ تنقیدی قرأت کا مقصد کسی ایک سیاسی جواب پر پہنچنا نہیں بلکہ متاثرہ انسان کی پیچیدگی کو سامنے رکھنا ہے۔ جب درد کو محض عدد، شناخت کو محض خانہ اور تحفظ کو محض طاقت سمجھا جائے تو یہی پیچیدگی سب سے پہلے نظر سے اوجھل ہوتی ہے۔

مجموعی طور پر حمید شاہد کے افسانوں میں مابعد دہشت گردی کا بیانیہ انسانی زندگی پر خوف کے دیرپا اثرات کو نمایاں کرتا ہے۔ دہشت کا واقعہ گزر جانے کے باوجود اس کی بازگشت یادداشت، رشتوں اور اجتماعی رویوں میں باقی رہتی ہے۔ منتخب افسانے «لوتھ»، «سورگ میں سور» اور «گانٹھ» اس تجربے کو مختلف زاویوں سے پیش کرتے ہیں۔ ان میں فرد کی داخلی شکست، اجتماعی تحفظ کی پیچیدگیاں اور شناخت کی غیر یقینی صورت حال باہم مربوط ہیں۔ اس تناظر میں دہشت گردی محض خارجی تباہی نہیں، بلکہ انسانی اعتماد، اختیار اور وقار کو متاثر کرنے والا تجربہ بن جاتی ہے۔

لوتھ میں جسمانی زخم اور ماضی کی تکلیف ایک دوسرے سے جڑ کر صدمے کی پیچیدگی واضح کرتے ہیں۔ حال کے مناظر کردار کی یاد میں محفوظ نقصان کو دوبارہ زندہ کر دیتے ہیں۔ باپ اور بیٹے کا تعلق نسلوں کے درمیان احساس اور تجربے کے فرق کو سامنے لاتا ہے۔ بیٹے کی نگہداشت کے باوجود باپ کے اختیار اور داخلی دکھ کا سوال باقی رہتا ہے۔ افسانہ اس حقیقت کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ زندگی بچانا اور انسان کے تجربے کو تسلیم کرنا الگ مگر ضروری تقاضے ہیں۔ جسمانی بقا ذہنی آسودگی کی ضمانت نہیں بنتی۔

سورگ میں سور اجتماعی زندگی میں خوش حالی، خوف اور انحصار کے تعلق کو موضوع بناتا ہے۔ معاشی تبدیلی کے بعد پیدا ہونے والے خطرات اور محافظ قوتوں پر بڑھتا اعتماد اس سوال کو نمایاں کرتے ہیں کہ معاشرہ تحفظ حاصل کرتے ہوئے اپنا اختیار کس حد تک محفوظ رکھتا ہے۔ حفاظت کی تدبیر اگر جواب دہی سے محروم ہو جائے تو بے بسی کی نئی صورت پیدا ہو سکتی ہے۔ افسانے کی علامتی ساخت کسی مخصوص سیاسی تعبیر تک محدود نہیں۔ وہ ترقی کے انسانی نتائج، اجتماعی فیصلوں اور طاقت کی تقسیم پر غور کا امکان فراہم کرتی ہے۔

گانٹھ میں ڈاکٹر توصیف کا تجربہ شناخت، شہریت اور قبولیت کے بحران کو سامنے لاتا ہے۔ تعلیم اور پیشہ ورانہ کامیابی کے باوجود اجتماعی شبہ فرد کی انفرادیت کو کمزور کر دیتا ہے۔ نام اور نسبت جب الزام کا متبادل بن جائیں تو انسان مسلسل اپنی بے ضرری ثابت کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ وطن واپسی بھی اس داخلی الجھن کو لازماً ختم نہیں کرتی۔ افسانہ واضح کرتا ہے کہ تعلق صرف جغرافیائی موجودگی سے قائم نہیں ہوتا، بلکہ اعتماد اور احترام چاہتا ہے۔ ساتھ ہی ناانصافی کے ردعمل میں پیدا ہونے والے غصے کی اخلاقی جانچ بھی ضروری رہتی ہے۔

مجموعی طور پر ان افسانوں میں جسم، جگہ اور شناخت انسانی حرمت کے مشترک سوال سے وابستہ ہیں۔ «لوتھ» یادداشت، «سورگ میں سور» تحفظ اور «گانٹھ» قبولیت کی ضرورت کو نمایاں کرتے ہیں۔ ان کی فکری اہمیت یہ ہے کہ وہ متاثرہ انسان سے ہمدردی رکھتے ہوئے اس کے ہر ردعمل کی غیر مشروط تائید نہیں کرتے۔ بحالی اور انتقام، نگہداشت اور اختیار، نیز تحفظ اور آزادی کے درمیان فرق برقرار رہتا ہے۔ محمد حمید شاہد کا افسانوی بیانیہ ظاہری معمول کے پیچھے موجود اضطراب کو محسوس کراتا اور قاری کو انسانی تجربے کی پیچیدگی سمجھنے کی دعوت دیتا ہے۔

حوالہ جات

1۔ محمد حمید شاہد، لوتھ، مشمولہ، دہشت میں محبت، بک کارنر، جہلم، اپریل 2015ء، ص 114

2۔ ایضاً، ص 120-121

3۔ محمد حمید شاہد، سورگ میں سور، ص 147

4۔ محمد حمید شاہد، سورگ میں سور، ص 146

5۔ محمد حمید شاہد۔ لوتھ، ص 116